پیامِ نو

شہناز مزمل

پیامِ نَو

شہناز مزمّل

انتساب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمہ شاہناز مغل چیف لائبریرین ماڈل ٹاؤن لائبریری لاہور ایک قابلِ قدر
اور متحرک باعمل خاتون ہیں۔ یہ علمی ادبی ثقافتی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتی ہیں
تقریر اور تحریر میں مہارت ہے۔ تھوڑے سے عرصے میں اپنی انتظامی صلاحیت سے
کام لے کر انہوں نے ماڈل ٹاؤن لائبریری کو ایک خوبصورت علمی ادارہ بنا دیا ہے۔ یہاں
پر انہوں نے بچوں، بزرگوں اور طلبا اور خواتین کے لئے ہر طرح کی ممکن سہولتیں فراہم کر دی ہیں
تھوڑے سے عملے سے خوب کام لیا ہے۔ وقتاً فوقتاً کتابوں کی نمائش، بچوں کے میلے
مشاعرے، تقریری مقابلے وغیرہ کرواتی رہتی ہیں۔ ماڈل ٹاؤن کی لائبریری کی فضا
انتہائی خوشگوار ہے۔ یہاں کی پبلک ان کی کوششوں کو سراہتی ہے اور
تقریبات میں شرکت کرتی ہے۔

محترمہ شاہناز نہ صرف پیشہ ورانہ صلاحیتوں کی مالک ہیں بلکہ ایک
شاعرہ اور ادیب بھی ہیں۔ ذوقِ سخن خوب ہے۔ اکثر مشاعروں میں شرکت
کرتی رہتی ہیں۔ خواتین میں بہت مقبول ہیں۔ ان کی شاعری ایک اصلاحی
پہلو رکھتی ہے جو بہت ضروری ہے۔ ادب کو ہم اخلاقی اقدار اور مذہب سے جدا
نہیں کر سکتے۔ میرے نزدیک ایک اچھا شاعر وہی ہے جو نہ صرف فن کے اعتبار
سے پختگی رکھتا ہو بلکہ انسانیت کو بلند جذبات اور اعلیٰ کردار کی دعوت بھی
دیتا ہو۔ شاہناز کی غزلوں اور نظموں میں جو روح کارفرما ہے اس کا سرچشمہ
اسلام ہی کی فکر ہے۔ وہ پاکستان سے محبت رکھتی ہیں۔ ملت کا شعور رکھتی
ہیں۔ خدا تعالیٰ کو یاد کرتی ہیں اور اس کی نعمتوں کی شکر گزار ہیں
اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مرضیات پر چلائے اور ان سے اچھے اچھے
علمی اور عملی کام لے۔

احقر
الیاس [illegible]

2

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادیٔ پر خار میں آوے

شاعری اور بہت کچھ کی سانگو وادیٔ پر خار میں اک آبلہ پا کی طرح ہے۔ وادیٔ خیال کے شہر سخن میں تحر سے شناز منزل کی شناسائی دلنواز اور دل ربا ہے۔ یہ ان کی مشق سخن کا پہلا اظہار ہے جس میں معصومیت کی لغزش فکر کے پیرایوں میں ڈھلی ہوئی ہے۔ ان کے افکار دلکشی میں ایک لطیم کا حسن ہے جو ان کے خیالات کو جدت و ندرت بخشتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ شعری افکار دلچسپی سے پڑھے جائیں گے اور اس فنکار کے عظیم مستقبل کی خوبصورت تمہید بن جائیں گے۔

عبدالجبار شاکر

۱۹۔ جولائی ۱۹۸۹ء

فہرست

پیش لفظ

مبتدی ہوں، مشقِ سخن جاری ہے اپنی پہلی اور خام
کوشش پیش کرنے کی جسارت کر رہی ہوں کیونکہ
پیام تو سب تک پہنچانا چاہتی ہوں۔

پیدائشی شاعرہ تو ہوں نہیں۔ ددھیال علمی و ادبی مرکز
رہا۔ والد صاحب شاعری سے شغف فرماتے تھے ادب سے
لگاؤ ورثے میں ملا۔ اسکول کالج کے زمانے میں
مشاعروں میں حصّہ لیتی رہی۔ اخبارات و رسائل میں
بھی کبھی کبھار کوئی نظم وغیرہ چھپ جاتی۔

والد صاحب کی زندگی میں شاید اس ڈر سے کہ جانے
ذہن کیا تخلیق کر ڈالے طبع آزمائی کم ہی کی۔ ویسے
والد محترم پڑھنے لکھنے کے معاملے میں آزاد خیال آدمی
تھے ہر قسم کا مواد پڑھنے اور لکھنے کی آزادی تھی شاید
اسی لیے زیادہ محتاط رہی۔

1987ء میں ان کے انتقال کا صدمہ ناقابلِ برداشت
ثابت ہوا۔ ذہن نے فرار چاہا تو آمد شروع ہوئی
اور ایک ایک دن میں چھ چھ، سات سات غزلیں
اور نظمیں ہونے لگیں۔ جن میں سے کچھ پیام تو
میں شامل ہیں۔

سب لوگ گرمیوں کی دوپہر میں سوتے اور میں
اندھیرے کمرے کی کھڑکی کا ذرا سا پردہ سرکا کر
ڈائری پر لکیریں کھینچا کرتی خود سمجھ نہیں پاتی
کہ یہ سب کچھ کیسے لکھ ڈالا۔

دانو نے تلمذ کسی کے آگے نہیں کیا۔ کسی سے باقاعدہ
اصلاح نہیں لی تھی۔ آپ کو اشعار میں خیالات کی پوری
اور فکر کی بلند پرواز نظر آئے گی جنہیں الفاظ کا روپ
دینے کی کوشش کی ہے۔ افکار کا انتشار اور بسا اوقات
تضاد بھی ہے۔ مطالب میں ذو معنویت بھی نظر آئے
گی جس کے لیے بعض دفعہ شاید الجھاؤ بھی پڑے یوں
بھی شاید کوئی جگہ درست نہ ہو۔ بہرحال جو کچھ بھی ہے
میرے وطن آپ کے سامنے ہے

امید ہے مخلصانہ آراء سے نوازیں گے۔ آپکی آراء
مشعلِ راہ ہوں گی

میں محترم ایم محمود ڈپٹی ڈائریکٹر انعام الحق صاحب
ڈائریکٹر جنرل پبلک لائبریریز پنجاب لاہور اور
جناب پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب ڈائریکٹر
پبلک لائبریریز کی بے انتہا مشکور ہوں کہ انہوں
نے میری حقیر سی کاوش کو بغور پڑھا اور
اپنے خوبصورت الفاظ سے نوازا اور حوصلہ افزائی
فرمائی تھی۔

علاوہ ازیں جناب حسن عباس زیدی کی بھی مشکور ہوں
کہ انہوں نے مفید مشوروں سے نوازا۔

شہناز مزمل

۲۱ جنوری ۱۹۸۹

میرا پیام میری قوم کی امانت ہے
میرا پیام میری روح سے عبادت ہے
میرے پیام میں شامل ہے میرا فکر و عمل
میرا پیام تمہارے لئے راہ نجات ہے

کس قدر محدود ہے یہ دائرہ الفاظ کا

میرے جذبوں کے سمندر کو سمو سکتا نہیں
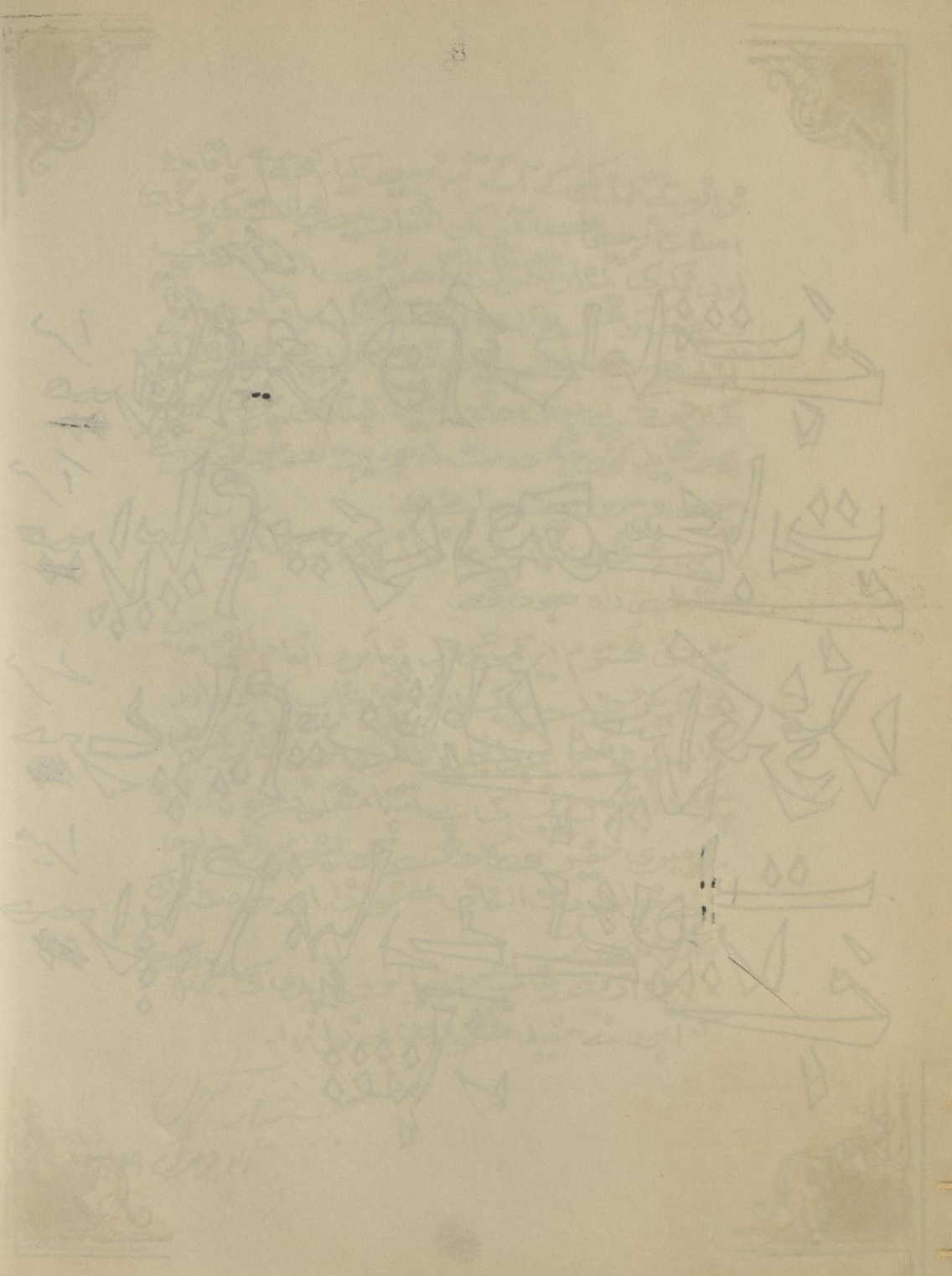
آرزو

الٰہی آرزو میری یہی ہے جستجو میری
قناعت میرا شیوہ ہو یہی فطرت بنے میری

جہاں کو بھول کر کچھ اس طرح بیگانہ ہو جاؤں
تری ہستی کا پیکر ہی بنے جولانگاہ میری

حقیقت کو زمانے میں نمایاں پھر سے میں کر دوں
وہی سازِ کہن چھیڑوں جو بن جائے صدا میری

میں ہوں عاجز مرے مولا نہیں کچھ مانگتا تجھ سے
عطا پاکیزگی وہ کر جو بن جائے جزا میری

میرے فکر و عمل نے آج تک مجھ کو سنوارا ہے۔
میرے افکار کی گرمی ہی بن جائے قبا میری

اُمید کی دُنیا میں اب بھی
اِک آس کا دیپک روشن ہے
لو اِس کی مدھم مدھم ہے
وہ پھر بھی میرا ہمدم ہے

یادوں کے سرد چناروں میں
جیون کی مدھر بہاروں میں
برہا کے تیز انگاروں میں
برکھا کے گھپ اندھیاروں میں
یہ دیپک روشن رہتا ہے

اِس دیپک کی مدھم سی لو
روشن رکھتی ہے جیون کو
دُنیا کے گھور اندھیاروں میں
میں اِس کو تکتی رہتی ہوں

یہ دیپک میرا سنگی ہے
یہ دیپک میرا ساتھی ہے
جیون کی آس دِلاتا ہے
اور شوق میرا بھڑکاتا ہے

میں اِس کو پکڑنے کی دُھن میں
اُڑ جاتی ہوں آکاش تلک
بدلی، چندا اور تارے بھی
سب ساتھی میرے ہوتے ہیں

اِک عزم نیا لے کر ہم سب
بس یوں ہی اُڑتے رہتے ہیں
اور آس کا پنچھی سنگ لیئے
ہم دُنیا دیکھتے رہتے ہیں

گر آس کا دیپک بُجھ جائے
تو گھور اندھیرا چھا جائے
یہ روشن روشن قندیلیں،
جیون نہ روشن کر پائیں

اِس آس کے دیپک کی جاناں
اِک مدھم سی دھیمی سی کرن
جیون کی آس دلاتی ہے
اور تیز مجھے دوڑاتی ہے

تیرے اسلاف نے [illegible] زرخیز مٹی
اسے بنجر زمیں میں آج کیوں تبدیل کرتا ہے
ترے اجداد مومن تھے اور تُو بھی ہے فقط مومن
تو خود کو بانٹ کر فرقوں میں کیوں تبدیل کرتا ہے

تو اپنی خو بدل کر کیوں زمانے بھر میں رسوا ہے
[illegible] کیوں تبدیل کرتا ہے
تجھے دی بشریت اُس نے خدا خود اسکا شاہد ہے
شہود و شاہد و مشہود کیوں تبدیل کرتا ہے

ابھی کچھ بھی نہیں بگڑا سنبھالا اب بھی لے تُو
یہ ہے دور زریں تو اِس کو کیوں تبدیل کرتا ہے
زمانے کو بدلنے کے لیئے پیدا کیا تجھ کو
زمانہ ہر گھڑی تجھ کو ہی کیوں تبدیل کرتا ہے

١

غزل

اسلام کے سپاہی

سر کو جھکا کے کب سے کھڑا ہوں ترے حضور

عاجز گنہ گار کا لینا نہ امتحان ،

باسط تیری بساط کا اندازہ کسے ہے

کرنا وہ عطا ہو جو تیرے شایانِ شان

حاجت میں تیری کوئی کمی آئے نہ مولا

یہ جاہ و حشم سب تیری خاطر کروں قربان

جو شخص تیری ذات پہ کرتا ہے بھروسہ

ہوں ساتھ میں اُس کے یہ تیرا تو ہے فرمان

مومن کو صفحۂ ہستی سے آئے ہیں مٹانے

دے حکم مجھے آج پھر بن جاؤں میں فرقان

کیا میری چشمِ بینا کو یہ چھین سکیں گے

کیا نعرۂ تکبیر کی دیکھی نہیں ہے شان

پابندِ سلاسل تو ہوں محدود نہیں ہوں

میں وُہ ہوں اُتارا گیا جس کے لیئے قرآن

ہوں فکرو حُریت کی میں دولت سے مالامال

میں کفر اور باطل کے لیئے بن جاتا ہوں فرقان

اقبال کا شاہین ہوں میں [illegible] بندۂ مومن

اقبال جسے کہتا ہے اللہ کی بُرہان

میں وُہ ہوں ملائک نے جسے سجدہ کیا ہے۔

ہستی میری بن جائے گی اِسلام کی پہچان

آشفتہ سری

میری آشفتہ سری ہی میری کمائی ہے
تمام عمر اسی کے لیئے گنوائی ہے

خرد نے چاک گریباں اپنا کر ہی لیا
~~نئی اک راہ ہوش اپنے لیئے بنائی ہے~~ — یوں راہ اپنے لیئے اس نے بنائی ہے

~~ٹکرائے راہ میں کتنے ہی پیالہ و ساغر~~ — پڑے تھے راہ میں کتنے ہی پیالہ و ساغر
مئے و مینا کو ٹھکرا کے رو زد آئی ہے — یہ زندگی مے و مینا کو روندتی آئی ہے

نہیں ہے کوئی گلہ اب صلہ ملے نہ ملے
خودی کا ساتھ ہی میرے لیئے بنیائی ہے

خودی کو بھول کے تو خود خدا کو بھول گیا
اسی لیئے تو عدو سے بھی منہ کی کھائی ہے

کسی بھی دوسرے کو تم حقیر مت جانو
اسی تو زعم میں دنیا نہ کچھ سمجھائی ہے

اے لامکاں کے مکیں میری آرزو ہے یہی
ملے وہ راہ جہاں تیری راہ نمائی ہے

اضطراب

مجھے کوئی بتاتا نہیں سلسلہ ہے کیا
ہے کیوں زمانہ آج گرفتارِ اضطراب
انساں کی زندگی تو ہے قدرت کی حسیں دین
انسان نے بنایا ہے خود ہی اسے عذاب
فطرت تو ہے مستور مگر چاہتی ہے یہ
ہو تو کوئی ایسا جو کرے اس کو بے نقاب

رنگینیٔ جہاں کا بن کر حسین جال
مستانہ رو زمانے نہ دکھلانا کوئی خواب
میں آج گریزاں ہوں ہر اک راہگزر سے
ڈرتی ہوں نئی راہ بھی بن جائے نہ سراب
ہے ظلمتوں کی شب کہیں کچھ نہ دکھائی دے
یارب میری بھی راہ میں چمکا دے ماہتاب

بپھری ہوئی لہرو مجھے ساحل پہ پٹخ دو
میں لڑکھڑا رہی ہوں نہ سہہ پاؤں گی عتاب
اے نالۂ شب رو ذرا آواز، تو دینا،
شائد تیری صدا کا ہی آجائے کچھ جواب
میں سامنے کھڑی ہوں تیرے شرمسار سی
شہناز سے گناہوں کا نہ مانگنا حساب

ہیرے کے ریزے

نظم

اُمید کی نازک قندیلو
کیوں جلتی بُجھتی رہتی ہو
جیون میں جوت جگاتی ہو
اک تانا بانا بنتی ہو
کتنا نازک سا جالا ہے
اک پل میں ہی بُن ڈالا ہے
پر اِس کو کون سنبھالے گا
یہ جالا تو اک گالا ہے
یادوں کے سرد چباروں پر
میں دیپ جلائے بیٹھی ہوں
یہ دیپ ہیں میرے آنسوں کے
ہیں ساتھی میری سانسوں کے
میرے ماضی کی یادیں بھی
میرے پل پل کی ساتھی ہیں
قندیل کی مدھم کرنوں میں
میں اِن کو تکتی رہتی ہوں

اِس مدھم مدھم چھاؤں میں
لمحوں کی کٹھن گپھاؤں میں
صدیوں کی تپتی دھوپوں میں
دھیرج سے چلتی رہتی ہوں
اُمید کی کرنیں روشن ہیں
تو روشن ہے من بھی میرا
اُمید کی نازک قندیلیں
ہر لمحہ آس دِلاتی ہیں
جیون کی راہ دکھاتی ہیں
اے نازک نازک قندیلو
تو اپنی کچھ تو تیز کرو
اِن سوتے جاگتے ذہنوں کے
لمحوں کو جنوں خیز کرو

غزل
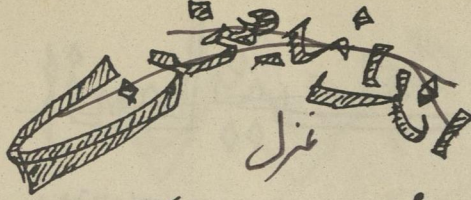
میرے اندازِ سُخن پہ نہ ہو ناراض کہ میں
ہوں گنہ گار نہیں جرأت اظہار مجھے

دوست ہوں دوست کا دشمن بھی میرے اپنے ہیں
کیوں سمجھ پائے نہیں آج تک اغیار مجھے

اِس کڑی دھوپ نے کچھ اسطرح جھلسایا ہے
سایہ دیتے نہیں اب شجرِ سایہ دار مجھے

تو ہے نازاں کہ ہوئی جشنِ بہاراں میں شریک
لے کے چل بادِ صبا آج کوئے یار مجھے

اسقدر تیز ہے اب ذوقِ جنوں کی پرواز
خود نہیں اپنی خودی پہ اب اختیار مجھے

آبلہ پا ہوں شکستہ ہیں بہت ارمانِ ناز
نہ، نہ مارو نہ کوئی ناوکِ خونبار مجھے

انسانیت

انسانیت جہاں سے ہوئی مفقود اس قدر
ہر شخص اپنی ذات کے اندر سمٹ گیا
تھی کاوش زمانہ کہ مجھ کو بگاڑ دے
میں ہی مقابلے پہ مگر اُس کے ڈٹ گیا
گر تیرے پائے عزم ذرا ڈگمگا گئے
تو پھر سمجھ کہ ناطہ زمانے سے کٹ گیا

پھر اِس خیال سے کہ نہ رُک جاؤں میں یہاں
منزل جو آئی سامنے میں پیچھے ہٹ گیا
گر تُو نے غلطیوں کو میری معاف کر دیا
کچھ مرتبہ بتا تیرا کیا اِس سے گھٹ گیا
اللہ نے ایک شکل میں پیدا کیا تجھے
تیرا وجود کس لیئے ٹکڑوں میں بٹ گیا

ہر چیز پہ گمان تھا تیرے وجود کا،
سایہ جو نظر آیا تو اُس سے لپٹ گیا
تھا دھندلکا سا چھایا ہوا آسمان پر
صبح کا تارا آیا مقدر پلٹ گیا
شہناز تو نے لفظوں کے سوتے جگا دیئے
اچھا ہوا غبار ترے دل کا چھٹ گیا

ایک آواز جو اکثر مجھے تڑپاتی تھی
میرے احساس کی دُنیا میں بسا کرتی تھی
میرے افکار میں اِک رنگ نیا بھرتی تھی
اِک دن میں اُسی آواز کے پیچھے پیچھے
کہیں انجان سی راہوں پہ نکل کے چلدی
وقت کا سیل رواں بھی نہ میرے ساتھ رہا
نہ ہی آہٹ پہ کسی کی کبھی مُڑ کے دیکھا
میں تھی تنہا رہی ساتھ میرے تنہائی
راہ ان دیکھی تھی مدھم سی رہی بینائی
بس وہ آواز سحر خیز بنی جاتی تھی
آس انجانی سی منزل کی وُہ دکھلاتی تھی
دیپ ہر راہ میں روشن وُہ کئے جاتی تھی
مجھ کو اُکسائے نئی سمت لیئے جاتی تھی

مجھ پہ آواز کا کچھ ایسا جنوں طاری تھا
راز پا لینے کا کچھ ایسا جنوں طاری تھا
کوئی بھی چیز میری راہ میں حائل نہ ہوئی
تندیٔ بادِ مخالف سے بھی گھائل نہ ہوئی
میرے آتش جنوں خیز کو نہ روک سکا
کوئی بھی تند و بلاخیز اُمنڈتا طوفان
وُہی آواز میرے شوق کو بھڑکاتی تھی
سوئے منزل مجھے دوڑائے لیئے جاتی تھی
تھک کے ہانپی بھی پڑے پاؤں میں چھالے اگر
ہیچ تھے کوہ گراں تہہ عزم سفر میں آکر
مرعوب ہوئی جہد مسلسل سے خدائی
خود منزلِ مقصود میری جانب کھنچی آئی

اُسی آوازِ سحر خیز نے دی آکے نوید، خُود خدا ہوتا ہے اُس فرد کی شہ رگ کے قریب
جِن کے جذبے ہوں جواں اور لگن سچی ہو، ایسے افراد کی کاوش سے نہیں کچھ بھی بعید

آئینہ خانہ

میری ہستی میرے افکار کا آئینہ خانہ ہے
جنون شوق سے اِس بزم کو پھر سے سجانا ہے

کروں ہستی فنا اپنی دوامِ زندگی پاؤں
بسر کرنا عمر کا خُلا میں تو اک بہانہ ہے

نہیں اب وقت کہ راہوں سے اپنی تو بھٹک جائے
گم کرنا راہ کا تیرے لیئے تو تازیانہ ہے

نگاہیں منتظر [illegible] تیرا زمانہ ہے

آئینہ دِل

حقیقتیں گو بڑی تلخ نظر آتی ہیں

رہِ جیون میں نئے رنگ سے بھر جاتی ہیں

چھین لیتی ہیں بظاہر یہ لبوں سے ہنسی

ش[illegible] منور بھی تو کر جاتی ہیں

آبلہ پا ہوں مگر عزم سفر رکھتی ہوں

منزلیں پاس میرے آ کے ٹھہر جاتی ہیں

ہر گھڑی جشن ہے گر آنکھ تیری روشن ہو

بچوں کا عالمی دن

چرچا ہے دُنیا میں بہت — بچوں کے عالمی دِن کا آج
کیا ہے یہ دِن دُنیا کو — ہم آج بتانا چاہتے ہیں
بچے اک پیغام زمانے بھر کو سنانا چاہتے ہیں

ہم ننھے معصوم فرشتے — ذہن ہمارا اک سلیٹ
اِس پر ہم بھی نقش نیا — اک آج بنانا چاہتے ہیں
بچے اِک ....

اللہ نے انسان بنایا — تُم نے فرقے بازی کی
فرقے بازی ہے بیکار — ہم آج بتانا چاہتے ہیں
بچے اِک..............

بچے ہیں ہم چھوٹے چھوٹے — عزم ہمارا اونچا ہے۔
بچے ہیں معمارِ جہاں — یہ سب کو بتانا چاہتے ہیں
بچے اِک..............

بن جاتے ہیں ایک نئے — انداز کے دور کے بانی ہم
جوت سے ہم اِک جوت نئی — یوں آج جگانا چاہتے ہیں
بچے اِک پیغام زمانے بھر کو سنانا چاہتے ہیں

ہم سب بچے سنگ سنگ چل کر — کام کریں گے بڑے بڑے

کر سکتے ہیں کیا کچھ ہم بھی — آج بتانا چاہتے ہیں

بچے اک پیغام زمانے بھر کو سنانا چاہتے ہیں

اچھا نہیں ہے ایسا رویّہ — جو اپنایا آپ نے ہے۔

بچے آج بزرگوں کو — احساس دِلانا چاہتے ہیں

بچے اِک ....

گرچہ ناقص رائے ہماری — معنی اِس میں پنہاں ہیں

انسانوں کو آج صِرف — اِنسان بنانا چاہتے ہیں

بچے اِک ....

ہم آواز ہوں بچے سارے — یہی ہمارا نعرہ ہے

ہم سب مِل کر دُنیا سے — تفریق مٹانا چاہتے ہیں

بچے اک پیغام زمانے بھر کو سنانا چاہتے ہیں

نظم 5

صبح

طلوعِ صبح اک نوید بن کر جہاں کو یوں جگمگا رہی ہے۔
اندھیری راتوں کی ظلمتوں کو ردا میں اپنی چھپا رہی ہے۔
جو نور اُس نے فضا کو بخشا وہ نور مظہر ہے عظمتوں کا
عظیم رب کا عظیم جلوہ عظیم صُبح دکھا رہی ہے۔
مہک ملی ہے گلوں سے اِس کو بنی ہے پھول ہر کلی چٹک کے
صباء بھی ہر سو مہک مہک کے ترانے اِس کے ہی گا رہی ہے۔
یہ کالی کوئل یہ ننھے خوش الحان طائر پھُدک رہے ہیں جو ڈالی ڈالی
یہ مینا پیاری چمن میں نغمے لٹا رہی ہے
یہ ساز کیسا بجا ہے بن میں یہ شور کیسا ہے انجمن میں
گھٹا یہ کالی برس گرج کے فضا کو کیسے جِلا رہی ہے۔
خزاں نے مایوں کا زرد جوڑا پہنا دیا تھا ہر اک شجر کو
بہار چُن چُن کے سبزہ و گُل عروسِ نَو کو سجا رہی ہے۔
پیا کہاں ہے پیا کہاں ہے۔ پپیہا یہ پُوچھتا ہے سب سے
بہار آئی بہار آئی صباء یہ مژدہ سُنا رہی ہے

خرد کی بھول بھلیوں میں اِس طرح گم ہوں
یہاں سے کیسے میں نکلوں سمجھ نہیں آتا

قناعت انساں کو آفات سے بچاتی ہے
بنے گا کس طرح قانع سمجھ نہیں آتا

جو چھوڑا صبر کا دامن تو خطا کھائے گا
ہے بے قرار بہت۔ کچھ سمجھ نہیں آتا

بدی نے اِس طرح ڈیرہ جما لیا ہے یہاں
بدی سے کیسے بچوں کچھ سمجھ نہیں آتا

ہیں لاتعداد بشر آج تیری دُنیا میں
ملے گا کس طرح انساں سمجھ نہیں آتا

گو مشکلیں ہیں مگر ساتھ رحمت ہے
ہو شکر کیسے ادا کچھ سمجھ نہیں آتا

دیکھے ہیں کیا کیا جلوے تمنائے شوق نے

میری تمام سعیٔ عمر رائیگاں نہیں

نہ تم مہاجر نہ ہو پٹھان
تم نے بنایا پاکستان
پاکستان تمہاری شان
پاکستان تمہاری آن

چھوڑو مہاجر اور پٹھان
بڑھ کے سنبھالو پاکستان
یکجہتی شیوہ ہو تمہارا
لڑاؤ اس کے لیئے تم جان

ہاتھ اُٹھے گر پاک وطن پر ○ مان تمہارا مان نہیں ہے
سینہ تم اپنا دو تان ○ شان تمہاری شان نہیں ہے
توڑ پھوڑ تخریب پسندی ○ آن تمہاری آن نہیں ہے
اِس کا ہرگز نہ کرو مان ○ جان تمہاری جان نہیں ہے
دشمن کی للکار کو سُن کر ○ گر نہ ہو یہ پاکستان
پیش کرو تم اپنی جان ○ چھوڑو مہاجر اور پٹھان
○ بڑھ کے سنبھالو پاکستان

وطن کی بیٹیوں کے نام
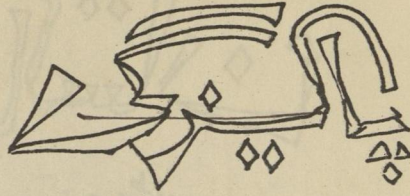
تیری پاکیزگی پہ حرف نہ کوئی آئے
راہِ عصمت سے صبا بن کے تو گزر جائے

رُخِ معصوم حیا بار رہے یوں ہی سدا
راہ جیون کی حیا بار ہی گزر جائے

تیری زینت تیرا ایمان تقدّس ہے تیرا
فخر ہو راہ کو جس راہ سے تو گزر جائے

یہ زمانہ تو کیا یزداں بھی کرے تجھ پہ ناز
کہکشاں بن کے تُو جس جا سے بھی گزر جائے

پہچان

آداب سے بے بہرہ ہوئی جاتی ہیں اقوام
تہذیب و تمدن تو ہے اقوام کی پہچان
پابندی اوقات بنی جاتی ہے کیوں بوجھ
منجدھار میں کشتی ہے نہیں ان کو کوئی ہوش
افکار گراں مایہ ہیں ملت کی امانت
ملت کے اے حمار نہ کر اس میں خیانت

تحقیق کا ہر دائرہ محتاج نظر ہے
اُٹھ ہاتھ بڑھا تھام لے جو کچھ بھی اِدھر ہے
پابند سلاسل تو بنا جاتا ہے نادان
ہو عزم جواں مشکلیں ہو جاتی ہیں آسان

ہیں لوح و قلم عرش و فرش آج بھی تیرے
ہیں اوج ثریا کے یہ مہتاب بھی تیرے
بڑھ سوئے فلک گوہر افلاک ہیں تیرے
یہ حور و ملائک خس و خاشاک ہیں تیرے

قدرت بھی بدلتی ہے اُن اقوام کی تقدیر
جس قوم کے افراد ہوں مائل بہ تدبیر

غزل

کیوں قیدِ زیست میں تیرا وجود ہے محبوس
کہیں سے کوئی پیامِ سحر نہیں آتا

کیوں رنگ لاتی نہیں اب یہ گرمیِٔ گفتار
کیوں تیرے شعر و سخن میں اثر نہیں آتا

کٹھن سفر ہے اور منزل ہے بہت دور ابھی
کہیں پہ سایۂ شجر کا نظر نہیں آتا

جو اِس جہاں کی حقیقت کو فاش کر ڈالے
چمن میں ایسا کوئی دیدہ ور نہیں آتا

کچھ لوگ جاں کو ہتھیلی پہ لئے پھرتے ہیں
کیا اُن کو اس کے علاوہ ہنر نہیں آتا

نہیں خشوع و خضوع آج تیرے سجدوں میں
اسی لئے تو دعا میں اثر نہیں آتا

کہاں چھپ کے کھو گئے ہیں تمام جذبہ و حرف

تاج محل

ایک انجانی سی دُنیا کا حسیں تاج محل
جیون کی حسیں راہ گذر پہ دیکھا
ایک مُبہم سی خواہش ایک موہوم اُمید
دور گوشے میں میرے دِل کے اچانک جاگی
رُک کے اِس خواب کی تعبیر کو میں دیکھ تو لوں
اس کے اجمال سحر خیز کی تعریف کروں
کس طرح نذرِ عقیدت کی اسکے پُرنور تقدس کے حسیں خالق کو
میری ششدر سی نگاہوں کو متحیر پا کر پیش کروں
پاس سے حضرتِ مجذوب نے پوچھا آکر
جذب و ہستی کی بقاء تو نے کبھی دیکھی ہے
عشق و ہستی کی فنا تو نے کبھی دیکھی ہے
فلسفہ جذب و فنا کا جو سمجھ جائے تو
پھر تو بن سکتے ہیں کتنے ہی حسیں تاج محل

تازہ ہوا

نکل کے قید سے تازہ ہوا میں سانس تو لوں
مجھے آزاد میری سوچ کے لمحو کر دو
میرے جذبوں کو ضرورت ہے نئی روشنی کی
آج متلاشی ہوں میں پھر سے کسی چاشنی کی
ایسے لمحے جو تراوٹ مجھے عطا کر دیں
رنگ اور خوشبو کو پھیلا دیں جیسی دُنیا میں
نور ہی نور نظر آئے تیری دُنیا میں
مشکلیں راہ کی سب ایک طرف ہٹ جائیں
ظُلمتیں شب کی سب پل بھر میں کہیں چھٹ جائیں
یہ جہاں سب کے لیئے امن کا گہوارہ ہو
نسلوں کا قوموں کا آپس میں نہ بٹوارہ ہو
بھائی نہ بھائی کے دُشمن نظر آئیں پھر سے
مثلِ انصار ہمدرد بن جائیں پھر سے
ورق تاریخ کا اِک بار پھر پلٹ جائے
دور وہ احمد مرسلؐ کا پھر پلٹ آئے
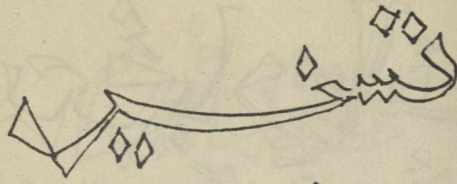
تو سمجھتا ہے کہ تو تسخیر کر سکتا نہیں
ہے میر کارواں تدبیر کر سکتا نہیں
مرد ناداں یہ تیری ناسمجھی تیری بھول ہے
جذبہ ہو کامل تو کیا انسان کر سکتا نہیں

تو ہے مرد راہ داں تیری ستاروں کو تلاش
راہبری کرنا جو چاہے کیا تو کر سکتا نہیں
زندہ قومیں کس طرح پا لیتی ہیں بام عروج
تو جنوں کی اُن حدوں کو پار کر سکتا نہیں

جو چھپے جوہر ہیں تجھ میں آشنا ہو جائے تو
پھر کوئی شمشیر سے بھی وار کر سکتا نہیں
جو بھی میرے دل میں تھا وہ میں نے واضح کر دیا
ہے یقیں مجھ کو کہ تو انکار کر سکتا نہیں

تندیٔ بادِ مخالف میں گھرا جاتا ہے تو
تیرا حامی تو خدا ہے پھر بھی گھبراتا ہے تو

ہو تلاطم تو خس و خاشاک ڈرتے ہیں مگر
ہو کے انساں بے وجہ بے بس ہوا جاتا ہے تو

کیں شمعیں تو نے فروزاں اپنی راہوں کیلئے
ظلمتوں کی شب کی تاریکی سے ڈر جاتا ہے تو

ہے تجھے آگے نکلنا فکر پیچھے کی تو چھوڑ
کیوں غم اندیشۂ فردا میں گھر جاتا ہے تو

ہو مقدر جن کا منزل وہ کبھی تھکتے نہیں،
کیسا راہی ہے قدم اٹھتے ہی تھک جاتا ہے تو

منزلیں خود آ کے تیری راہ میں بچھ جائیں گی
دیکھنا یہ ہے کہ منزل کس جگہ چاہتا ہے تو

شہناز مزمل

تائید غیبی

کسی تائید غیبی کا ابھی تک منتظر ہے تو
کسی موج تلاطم نے تیری حالت نہیں بدلی

تہہ داماں پلٹ کے رکھ دیا ہے تند لہروں نے
کھڑا ساحل پہ حیراں ہے تیری حالت نہیں بدلی

ترے ذہن ہے آزاد، دل آزاد اب آزاد ہے تو بھی
عہد آزادی نے تری حالت نہیں بدلی

بدل دیں گے تری قسمت یہ ذرے رہگزاروں کے
کسی پوشیدہ جوہر نے تری حالت نہیں بدلی

اگر نصرت کا خواہاں ہے تلاطم سے نہ ڈر
یہی تائید غیبی ہے تری حالت نہیں بدلی

اندازہ طوفاں ہو نہ سکے
تو درد کا درماں کیسے ہو
آگاہ نہیں اپنے سے بشر
طے جادۂ عرفاں کیسے ہو
سودا ہے سمایا مغرب کا
اقدار ہیں اپنی کھو بیٹھے

احساس زیاں جب مٹ جائے
انسان پشیماں کیسے ہو ،
پرکھوں نے گنوا کر جاں اپنی
مضبوط فصیلیں دیں تم کو ،
حق سمجھا تم نے ہر شے پر
اندازۂ احساں کیسے ہو

غزل

ہے گر جمود طاری تمنا بھی چھوڑ دے
بہتر ہے اب تو خواہش دنیا بھی چھوڑ دے

مٹ جائیں گے یہ نقش قدم رہگزار پر
تبدیل کر یہ راہ یہ رستہ بھی چھوڑ دے

اس دو رُخی تلاش میں دُنیا ملی نہ دیں
گر ہو سکے تو خواہش بے جا بھی چھوڑ دے

بے لوث کا وشوں کا صلہ مانگتی نہیں
دُنیا تو چھوڑ دی ہے اب عقبیٰ بھی چھوڑ دے

ہے ذوقِ آگہی کی قربت بھی اک عذاب
کچھ دیر کے لیئے مجھے تنہا بھی چھوڑ دے

جو کچھ ترے نصیب میں تھا تجھکو مل گیا
جو مل سکا نہ اُسکا تقاضا بھی چھوڑ دے

بے حس و بے ضمیر جہاں ہے اگر شہنار
تو ایسے کم سواد کا سودا بھی چھوڑ دے

غزل

جنونِ تازیانہ

خرد کا ہر نیا فتویٰ جنوں کا تازیانہ ہے
تجھے فکر و عمل سے اک نئی بستی بسانا ہے
پڑے رخنہ اگر کاوش میں یوں تخریب کاری سے
تو بن کے کوندا بجلی کا یہ بدکاری مٹانا ہے

تو ہے مومن تیری ہمت سے ہر پتھر پگھلتا ہے
کچھ ایسی شان سے رستے کا ہر پتھر ہٹانا ہے
اگر ڈالے نظر ٹیڑھی کوئی تیرے نشیمن پر
تو ہے دہقان خرمن خود تجھے اپنا بچانا ہے
تیری ہمت زمانے کو عزیمت کیش ہے، اب بھی
تو ہے دیوار سیسے کی جہاں کو یہ دکھانا ہے

تو اُمّتی ایسی اُمت کا قرآں خود جس کا راہبر ہے۔
اُسی قرآن کو سینوں میں اب پھر سے بسانا ہے۔
تو خود میں ہے خودی سے اپنی ہو آگاہ اے بندے
خودی کا یہ نیا پیغام دُنیا کو سُنانا ہے
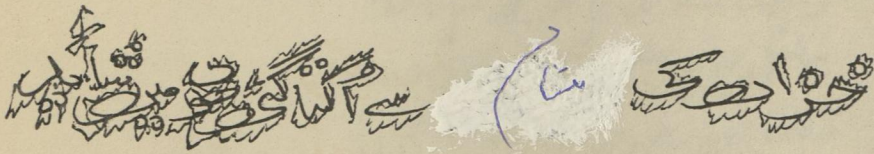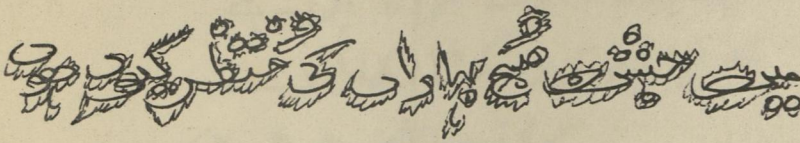
حرص و ہوس کے آگے نہ کچھ بھی دکھائی دے
انسان اپنے قد سے بھی چھوٹا دکھائی دے

اپنے دلوں کا کھوٹ نظر آتا نہیں ہے
سکہ پرایا ہو تو وہ کھوٹا دکھائی دے

کوئی تو ایسا شخص مجھے ڈھونڈ کے لا دو
انسانیت کا بوجھ جو ڈھوتا دکھائی دے

کیا نازکی ہے آج دلِ فتنہ ساز کی
خود کو لگے جو ٹھیس تو روتا دکھائی دے

گر لہروں کے مزاج کو سمجھے نہ ناخُدا
ساحل پہ ہی سفینہ ڈبوتا دکھائی دے

ذوقِ جنوں میں خُود کو فراموش کر دیا
شہناز کو آرام نہ ہوتا دکھائی دے

(15)

غزل

خدائے نور

خدائے نور ہواؤں کا رُخ بدل دے تو
چراغِ فکر جلائے ہیں ہم نے راہوں میں

قدر شناس جہاں میں کہیں نہیں ملتے
شمار اپنوں کا کرتے ہیں بد خواہوں میں

یہی جو امن کی صورت رہی زمانے میں
تلاش سانپ کریں گے پناہ گاہوں میں

یوں بے گناہوں سے نہ کھیل خون کی ہولی
اُٹھا امن کا علم آج اپنی باہوں میں

لبوں پہ خامشی رنگت اُڑی اُڑی کیوں ہے
یہ کیسا کرب ہے ہمدم تیری نگاہوں میں

عفو کی تجھ سے طلبگار نازؔ ہے مولا
خدایا اس کو اُٹھانا تو بے گناہوں میں

شہناز شیخ

بے وجہ خندہ زن ہوں حقیقت نہ پوچھیے

مجھ سے میرا سوال کی بابت نہ پوچھیے

نیرنگیٔ زمانہ کے ہاتھوں اسیر

کیا ہو گئی ہے اب میری حالت نہ پوچھیے

کیسے بتائیں حضرت انساں کا ماجرا

شیطاں سے ہو گئی ہے عقیدت نہ پوچھیے

منزل کی ہر اک راہ ہوئی جاتی ہے مسدود

ایسے لمحوں کی آپ نزاکت نہ پوچھیے

رہی ہے

اس گومگو میں ہوتی کیا حالت نہ پوچھیے

اپنی نگاہ میں آپ ہی شرمندہ ہو گئے

اُس لمحے احتجاج کی نوبت نہ پوچھیے

انساں کو آدم کا شرف دینے کی خاطر

[illegible] کی ہے [illegible] ریاضت نہ پوچھیے

اک ذرہ اخلاص بھی دیکھے نہیں ملتا

دُنیا سے اُٹھ گئی ہے شرافت نہ پوچھیے

بازار حرص میں ہے اغراض کا وُرود

اِس مکروفن میں اِس کی لجاجت نہ پوچھیے

ہم جانتے تھے شیخ کا حسب ونسب سبھی

ایسی بھی ہو گئی ہے حماقت نہ پوچھیے

قسمت ہے باعث آلام مظاہر دی گی اے

چالص اغرض نقص کا خوبیا کو نہ بنے دو دو گے

خود احتسابی

خود احتسابی پہ میرا مدار ہے اب تو
مجھے تو اب کسی راہبر کا انتظار نہیں
کیا ہے تلخیٔ حیات نے مجھے مایوس
نہیں نہیں مجھے دُنیا کا اعتبار نہیں

اے موجِ بادِ بہاراں میرا پیام تو دے
تیرے سوا تو میرا کوئی رازدار نہیں
جہاں پہ غور و فکر ہی میری عبادت ہے
نقیبِ وقت ہوں لیکن فغاں شعار نہیں

میرے خیال کا ہے عکس میرے چہرے پر
میں دل گرفتہ ہوں لیکن میں سوگوار نہیں
جلا کے عزم کی شمع جو آ گئے شہناز
شہید ناز ہوئے ہیں مگر فگار نہیں

غزل
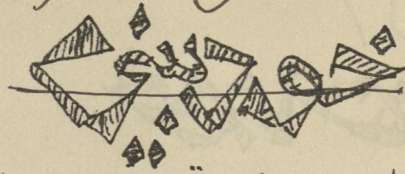
خود داری و خود بینی کا پرتو ہے میری ذات

یہ جانتی ہوں ہستی ہے میری بھی بے ثبات

ذوقِ نظر کو ذوقِ جہاں کی تلاش ہے

بیان کسطرح میں کروں اپنے احساسات

حکمت کا اور علم کا ملتا نہیں سراغ

کیا سن سکے گا تنگیٔ داماں کی حکایات

قدرت نہیں مایوس میرے ذوقِ جنوں سے

پاتی ہوں اس کو آج پھر مائل بہ التفات

یہ وقت اور گردشِ دوراں بھی خوب ہے

ہر لمحہ کر رہے ہیں ہم پہ یہ عنایات

اسرارِ ہست و بود کی الجھن سے نکل کے

اِس دور نے بدلے نہیں کیا تیرے خیالات

ہے امتحان گاہ جہاں اِس پہ غور کر

فانی ہے سب۔ لافانی ہے اللہ کی بس ذات

یہ اور بات تیری بصارت میں کمی ہو

دکھلائے گئے تجھ کو کمالات و جمالات

اہلِ خرد کو فیض ملے تیرے جنوں سے
وا کر دے ذرا اور تو دامانِ التفات
ہر ذرے کو پابندِ سلاسل بنا دیا
کیا اِس لیئے ہی کی بنا تخلیقِ کائنات

کیوں چھپ رہا ہے سامنے آ مہرِ نیمروز
میری طرح کیا تیری بھی ہستی ہے بے ثبات
بہتوں کو تو نے کر دیا ہے فائز المرام
میرے لیئے بھی آج دکھا دے نا کرامات

لے چشمِ بینا ساتھ اور دُنیا کھنگال ڈال
تا حدِ نظر پھیلے ہیں قدرت کے انعامات
مائل بہ کرم وہ ہے تو دامن کشادہ کر
تو کیوں نہیں سمجھتا ہے یزداں کے اشارات
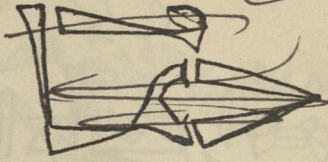
حضور ہم ہیں نازاں وفاؤں پہ اپنی

گنہ گر کیا تو سزا مانگتے ہیں

تری بارگاہ میں جھکایا ہے سر کو

خطا معاف کردے جزا مانگتے ہیں

قدم تو بڑھایا ہے اب سوئے منزل

الٰہی تیری ہی رضا مانگتے ہیں

تیری عظمتوں کا احاطہ وسیع تر

تیری رحمتوں کی دعا مانگتے ہیں

سنائی دے ہر سو سے اللہ اکبر

وہی روح پرور فضا مانگتے ہیں

تقدس ہمارا مقدر بنانا

حیا کی ہم تجھ سے ردا مانگتے ہیں

نہیں کوئی حسرت تیرے اس جہاں کی

ترے عشق کی انتہا مانگتے ہیں

ترا قرب پانے کی حسرت ہے یارب

ٹھکانہ سوئے منتہیٰ مانگتے ہیں
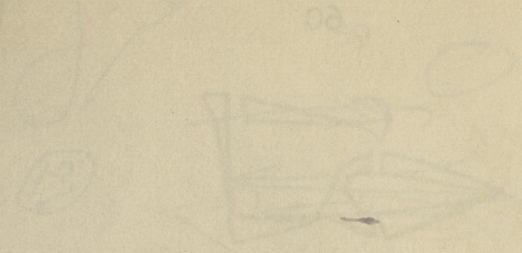
ڈوبیں رے مجھے تو آگے صبح تو کہیں

تیری صورت پلا شرم میں تمھیں جلائے صوفی

غزل (16)
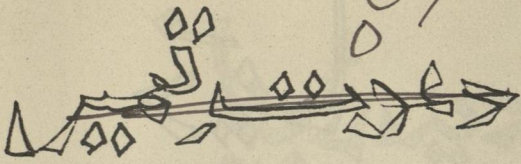
ماضی تیرے لیے دعوتِ تعمیر ہے

کرلے بازو پر بھروسہ منتظر تقدیر ہے

فتح کامل کی ندا خود تجھ کو دیتا ہے خُدا

تو نہیں قرآں مگر قرآن کی تفسیر ہے

صداقت تیرا شیوہ ہے جسارت تیرا فعل ہے

حوصلہ ہے تیرے میں نہاں اور بس لئے دلگیر ہے

اُٹھ کے اب تو آزما مردِ مسلمان کا ہو

جذبۂ مومن ہی مومن کے لیے شمشیر ہے

تو سمجھتا ہے زمانہ مات دے دیگا تجھے

جذبہ گر کامل ہو تو ناقابل تسخیر ہے۔
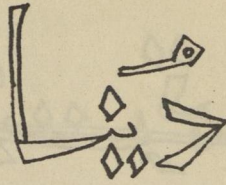
دُنیا

ہوئی ہے محدود تیری دُنیا
یہاں پہ ہم نہ سما سکیں گے
جہاں میں جو نہ سما سکے تو
نکل کے کس جا پہ جا سکیں گے

یہ ساتوں افلاک کس لیئے ہیں
کبھی بھی تُو نے نہ بھید کھولا
یہ سات پردے ہیں آسماں کے
کیا ہم بھی اِس میں سما سکیں گے

میں روز و شب سوچتی ہوں یہی
ہے کیسا اسرار تیری دُنیا
زمیں بھی پردہ فلک بھی پردہ
ہم اس کا کیا بھید پا سکیں گے

دیدۂ بینا

ہر مسئلے کا حل تو ہے موجود جہاں میں
لیکن جہاں دیدۂ بینا ہی نہیں ہے

اے ارتقاءِ فکر تجھے پاؤں
آؤں کہاں سے ہوش کا زینہ ہی نہیں ہے۔

وارفتگی شوق تیری سرمستیاں ہیں خوب
تو نے جنوں میں ہوش کو چھینا ہی نہیں ہے

کیا امتحاں
تیری جبیں پہ آج پسینہ ہی نہیں ہے

مجروح نہ کر سکے گی کوئی بھی خراش اب
زخم جگر کو اب کبھی سینا ہی نہیں ہے

اے ذوق آگہی مجھے ہمراہ تو لے لے
تیرے بغیر دنیا میں جینا ہی نہیں ہے

اندھیری رات میں ہم نے دیئے جلائے ہیں
چلی ہیں آندھیاں پھر بھی نہ ٹمٹمائے ہیں

ہمیں راہِ حق کے مسافر ذرا سمجھ لینا
خدائے نور نے رستے ہمیں دکھائے ہیں

زمانہ ہم کو بدل ہی سکا نہ لیکن
سبق زمانے کو ہم نے بہت سکھائے ہیں

ہمیں مٹانے کی کاوش بھی رائیگاں سمجھو
ہم حق کی راہ سے باطل مٹا کے آئے ہیں

اے ربِ کُن فکاں اسرار اپنے کھول دے تو
تیرے اسرار کو اب تک نہ سمجھ پائے ہیں ،

بے ربط و بے ہنگم سہی ہوتی رہے گی بسر

کٹتی ہے اس طرح کاٹے سے زندگی

ربطِ مسلسل

ایک ہیجان سا برپا ہے خیالوں میں میرے
روح کے اُن کُھلے تاروں کو کوئی چھیڑتا ہے
میرے جذبوں میں تلاطم سا بپا رہتا ہے۔
ہے چھپا بھید کوئی جو ہے عیاں ہونے کو
یا کوئی راز ہے جو دِل میں چُھپا رکھا ہے
ایسے مبہم سے سوالات کا دوں کیسے جواب
دیکھتی رہتی شب و روز آنکھیں اک خواب
کوئی ابہام نہیں کوئی بھی تفہیم نہیں
کیسی دُنیا ہے یہاں کوئی بھی تنظیم نہیں
ہے بصارت تو مگر کوئی بھی بصیر نہیں

ربطِ مسلسل

مظہرِ نورِ خدا ہے کوئی ظہیر نہیں

فطرتِ حسن کا کوئی بھی گرہ گیر نہیں

دعوتِ فکر و عمل کا کوئی اسیر نہیں

جستجو مجھ کو نئی سمت لیئے جاتی ہے

فہم و ادراک کو رستے نئے دکھلاتی ہے

میرا سیماب ذہن ڈھونڈتا ہے ایسا سکوں

دلِ مضطر کے لیئے چاہیے اِک ایسا جنوں

جو میری ذات کو ایک ربطِ مسلسل دے دے

شہناز مزمل

(16)

غزل

سپنا
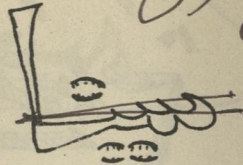
سپنا سُندر سا نگاہوں میں سجا رکھا ہے
دِل کے کونے میں اِسے کب سے چھپا رکھا ہے

آرزوؤں کا تو نادان بناتے ہیں محل
پھر بھی اک شہرِ تمنا کا بسا رکھا ہے

موند کے آنکھیں میں چوری سے اُسے دیکھتی ہوں
گرمئ بزم کو نظروں میں سما رکھا ہے

دِل وحشی کی طنابوں کو نہ ڈھیلا چھوڑو
کس لیئے دُنیا میں ہنگامہ مچا رکھا ہے

کچھ بھی چھوڑا نہیں ہے گردشِ دوراں نے مگر
اپنی ہستی کا بھرم ہم نے بنا رکھا ہے

آبلہ پا تو ہیں چلتے ہیں مگر کانٹوں پر
ہم نے تو عمر سے اسطرح نبھا رکھا ہے

ذرا ابلیس کو تھوڑا سا سبق سکھلا دیں
اس نے تو سارے زمانے کو نچا رکھا ہے

نازؔ نے عظمت پانے کی لگن میں اب تک
راہِ آلودہ سے دامن کو بچا رکھا ہے

غزل

حیات میری ہے کیا ایک سعیِ پیہم ہے
کیوں اِس تلاش پر احتراج برہم ہے

تیری نگاہیں مسیحا کی منتظر کیوں ہیں
کیا اِس جہاں میں طبیب ہی کوئی اب مرہم ہے

تو اِس جہاں کے اسرار کیسے کھولے گا
تیری نگاہ بھی کیا کوئی ساغرِ جم ہے

بھگایا خُلد سے حوّا کو ایک شیطان نے
پھر آج تک کیوں پریشان روحِ آدم ہے

نگاہ اپنی سوئے فرش تک نہ رکھ محدود
ٹھکانہ تیرا تو نادان عرشِ اعظم ہے۔

تو وہ ہے راہ میں جستجو کی ہو نہ حائل تیلی

تیرا یہ شوقِ جہاں یابی آج [illegible] کم ہے

مقابلہ ہے زمانے سے قدم تیز بڑھا

زمانہ برق رو ہے تیری چال مدھم ہے

بنایا پرکھوں نے تیرے لئے جہانِ نو

اور تو نے جانا یہی منتہائے عالم ہے

جہانِ نو میں جہاں اور کتنے پنہاں ہیں

تلاش کرتا رہ جب تک کہ تجھ میں دم خم ہے

تم یہ کہتے ہو کہ شیطان بُرا ہوتا ہے۔
میرا دعویٰ ہے کہ وہ راہ نما ہوتا ہے۔
میری تردید کا تم اتنا بُرا مت مانو
جہاں ہوتی ہے بدی واں ہی بھلا ہوتا ہے
راہ کھوٹی اِس کا گلہ مت کرنا
راہ کا کھوٹ ہی منزل کا نشاں ہوتا ہے

گرچہ ہے تلخ حقیقت مگر یہ مان لے تُو
حق ناحق ہی ہے جو حق کا مزا ہوتا ہے۔

تیرگی رات کی گھٹ جاتی ہے صبح بن کر،
ڈھلتا سورج ہی تو تاروں کی ضیا ہوتا ہے
لذتِ سایہ کہاں دھوپ کی حدت کے بغیر
ہوتا ہے

بھی چھپا ہوتا ہے

غزل
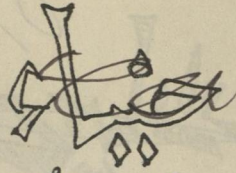
چاند تاروں کی ضیا تُو نے کبھی دیکھی ہے
بند کلیوں کی قبا تُو نے کبھی دیکھی ہے

رُخِ مہ وش پہ ہو پُرنور تقدس کا حصار
پاک مریمؑ سی حیا تُو نے کبھی دیکھی ہے

ہوں گے معلوم تجھے پیرہن کے غمزے
کیسے ملتی ہے بقاء تُو نے کبھی دیکھی ہے

تشنہ لب زاہد بھی مدہوش ہوئے جاتے ہیں
ایسی مستانہ ادا تُو نے کبھی دیکھی ہے

ہو گا واقف تُو ہر ایک جزا سے لیکن
بے ضمیری کی سزا تُو نے کبھی دیکھی ہے

عقل عیار ہے جلوے نئے دکھلاتی ہے
نازؔ ایسی بھی فضا تُو نے کبھی دیکھی ہے

غزل

راکھ کا ڈھیر ہے چنگاری دبی ہے اِس میں

اب آؤ فصلِ بہاراں کا انتظار کریں

چمن کو سینچ کر اپنے لہو کی سرخی سے

خزاں رسیدہ گلستاں کو لالہ زار کریں

زمانہ موسمِ گُل کی طرح بدلتا ہے

کیوں پھر سے فصلِ بہاراں پہ اعتبار کریں

زمیں فلک و بحر سب کے سب خرد کے اسیر

کیوں آج کچے گھڑوں پہ ہم انحصار کریں

جلا کے شمعِ عزم اپنی راہ میں رکھ دیں

خُود آج اپنی ہی راہوں کو ضیابار کریں

ہمارے پاس ہے موجود اک نظامِ حیات

کیوں غیر لوگوں کا مسلک ہم اختیار کریں

ہے جستجو تجھے اگر میرے اشعار کر دو

میری غزلیں تجھے بے نقاب کر دیں گی

فکرِ نکتہ دان

اے فکرِ نکتہ داں کوئی نکتہ تو ڈھونڈ لا
جِس سے تو اپنی طاقتِ پرواز جان لے

رہ دائرے میں اور کر باریکیوں پہ غور
ہے کائنات تیری اِسے اپنا مان لے

منطق تو ہے نرالی بہت کائنات کی
حیراں نہ ہو اُٹھا تو نظر اور پہچان لے

اے رب میری فغاں میں اثر کیوں نہیں ہے آج
مجھ کو نوا تو بخش یا میری زبان لے

تخلیقِ کائنات ہے فطرت کا حسیں جُرم
مُجرم ہے کون اُس کا بھی جا کر بیان لے

تخلیق کر کے خوش ہے وُہ تُو بھی سوال کر
دے کے پرانی دُنیا نیا اِک جہان لے

اِسرارِ ہست و بُود نہ تُو جان پائے گا
دُنیا میں کر تلاش یا افلاک چھان لے

خدایا آج میری قوم کو بچالے تُو
نئی منزل کی نئی راہ بھی دکھادے تُو

نئے چراغ نئی روشنی کو ڈھونڈ سکیں
رہِ حیات کی ظلمت کو اب مٹادے تُو

الٰہی بخش جوانوں کو تُو جنوں ایسا
خِرد کی ساحری کو خضرِ راہ بنادے تُو

شناخت اپنی بنیں آن بان جان سیکیں
یہ پا شکستہ ہیں منزل کی راہ دکھا دے تُو

نہ باقی اِن کی حمیت نہ اِن کی خُودداری
خُودی کو بھول چکے ہیں خودی جگا دے تُو

ان ٹوٹے تاروں کو اک بار پھر ضیا دے تُو

کام

کام کرتے جائیں گے اور آگے بڑھتے جائیں گے
عزم اپنا ہو نہ کم ہم گیت گاتے جائیں گے

زندگانی جیت ہے کس کو یہاں احساس ہے
ہاتھ میں شمع لیے پروانے بنتے جائیں گے

آدمیت آدمی کی کیا کوئی میراث ہے
سارے عالم کو کہاں تک یہ بتاتے جائیں گے

روزنِ دیوار سے جھانکا کئے کتنے نین
تم پسِ پردہ چھپے ہو یہ نہ ہم بتلائیں گے

میرے مولا بہتری، تیری تجھے بہتر پتہ
پر بتا شفقت کا ہم سایہ کہاں سے پائیں گے

اپنے دامن میں ہمارے اشک جو چن لیتا تھا
نازؔ اُس ہستی کا وہ دامن کہاں سے لائیں گے
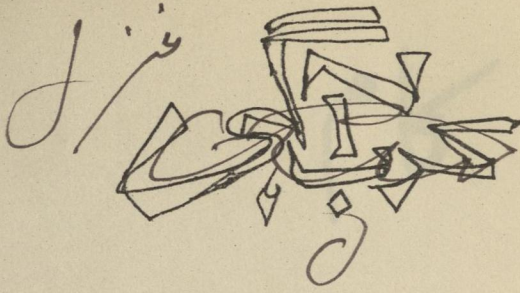
اے کربِ آگہی مجھے دوڑا نہ دُور تک
تیرا جنوں ہے اور پسی جا رہی ہوں میں

جوشِ جنوں ہے اور ہے افکار کی یورش
ہے بارِ گراں اور دبی جا رہی ہوں میں

گر روک سکو روک لو بڑھنے سے مجھے اب
طوفاں ہے بہت تیز اُڑی جا رہی ہوں میں

کیوں میں نے ہر اک راز تیرا فاش کر دیا
اب سامنے ہے تو اور چھپی جا رہی ہوں میں

شائد کہ مِل سکے مجھے منزل کا کچھ سراغ
نرغے میں دشمنوں کے گھری جا رہی ہوں میں

منزل ہی بن نہ جائے کہیں پاؤں کی زنجیر
منزل ہے پاس دُور ہٹی جا رہی ہوں میں

میں نے تیرے خیال میں نہ جانے کیا کہا
محفل سُخنوروں کی، سُنی جا رہی ہوں میں

شہناز فرحت

بنایا کس لیئے زنداں غریب خانے کو
خلا میں گھومتے رہنے کا یہ زمانہ ہے

حسیں چاند ستاروں کو اب نہ گھورا کرو
یہ چندا ماموں کا قصّہ بہت پرانا ہے

تو اِس آکاش کی دُنیا کا ایک کھوجی ہے
اب ماہ و سال کا رستہ تجُھے بنانا ہے

یہ چاند تارے نہیں اب تیری پہنچ سے دور
اب ان کا دائرہ انسان کا ٹھکانہ ہے

یہ رہ گذر جو عطارد کی اور مریخ کی ہے
اِس رہ گذر کا اب تُجھے سراغ پانا ہے

یہ نیلگوں سے سمندر لہر لہر کیوں ہیں
حسیں لہروں کی ہر تہہ تُجھے اُٹھانا ہے

تلاش کر کے تہلکہ مچا دیا تُو نے
ہر ایک لب پہ تیرا ہی تو اب فسانہ ہے

شہناز

23

فرصت کا کوئی بھی لمحہ میرے نزدیک نہ آئے

میری ہر ہر گھڑی یوں وجۂ تخلیق بن جائے

غمِ دوراں سے فارغ ہوں غمِ جاناں میں کھو جاؤں

غمِ جاناں غمِ دوراں میری تقدیس بن جائے

ہزاروں جو بھی ہیں لمحہ میرے جیون کا حاصل ہو

اور ہر گزرا ہوا لمحہ تشلیق بن جائے

مجھے ہے جستجو اس کی اُسی کو ڈھونڈتی ہوں میں

میرا ہر ہر لمحہ، لمحۂ تحقیق بن جائے

شہناز اُس لمحے کی خاطر کیوں اتنی بے قراری ہے

ضروری تو نہیں کہ وہ تیری تخصیص بن جائے

مہہِ تاباں کی دمک آج مشعلِ راہ بنی
نئی تہذیب کی توقیر رہے دار بنی

ضیا چاند ستاروں کو جس نے بخشی تھی
وہ کہکشاں میری ہستی کا اک وقار بنی

رہِ حیات تو عزمِ سفر سے کاٹی تھی
دمِ سحر کی شمع میری رازدار بنی

اک ننھی چیونٹی تھی جہدِ مسلسل کی مثال
گرایا جب بھی زمانے نے غمگسار بنی

مظر با، ساز اُٹھا دُھن تو کوئی شوخ سُنا
گھٹے تو دِل کی گھٹن جو میرا حصار بنی

وہ ننی بند کلی جو کھلی تھی گُلشن میں
مہک ملی جو گلوں سے تو اِک گلزار بنی

ساز ہستی کے ربابوں کو میرے مت چھیڑو
ان ہی کو چھیڑا تو شہناز گنہ گار بنی

بند کر لیا ہے میں نے تصور کی آنکھ کو

25

غزل

میرے جنوں کی منزل ابھی نہیں آئی
میری حیات کی باقی ہے بادہ پیمائی

ابھی انوار نہاں ہیں میری نگاہوں سے
ابھی نگاہ نے بالیدگی نہیں پائی

فلک کے تاروں کو اپنا مقام کر لینا
اِن پستیوں نے بُلندی ابھی نہیں پائی

سوُئے افلاک نظر رکھ اے مردِ ناداں تُو
تیری حیات نے عظمت ابھی نہیں پائی

شکستہ ساز سے پیدا نوائے راز تُو کر
تیری تلاش نے منزل ابھی نہیں پائی

ہیں سارے کھیل یہ تیری عقلِ سلیم کے
منطق نے سارے راستے اِس کو دکھا دیئے

ہم تو تیری تلاش میں بھٹکے کہاں کہاں
ذوقِ جنوں نے فاصلے کتنے گھٹا دیئے

لجا کے مانگنے کی ادا رب کو بھا گئی
اُس نے پھر عنایات کے دریا بہا دیئے

کیوں تنگیٔ داماں کا گلہ کر رہے ہیں آپ
وقتِ دعا تو آپ نے دفتر تھما دیئے

ایک ایک لمحہ تیرے لیئے تابناک تھا
لمحات قیمتی یُوں ہی تُو نے گنوا دیئے

کیا ختم ہو سکیں گے تجربات یہاں پر ،
جنوں نے اپنے دائرے کتنے بڑھا دیئے

اُستاد ناز کا ہے ہر گذرا ہوا لمحہ
گردش نے تلخ و شیریں تجربے کرا دیئے

شہناز مزمل

مومن

غزل

میں ہوں مومن میرے جذبوں کی تم نفی نہ کرو
بن کے کرار میں میداں میں اُتر جاؤں گا

گر ہے آلات سے وہ لیس تو پرواہ کس کو
جوشِ ایماں کا لیئے ولولہ بن جاؤں گا

میں ہوں اللہ کا سپاہی ہے میری تیغ خودی
جذب کامل لیئے باطل سے میں ٹکراؤں گا

پیٹھ دکھلاتا نہیں رزم میں ہرگز مومن
وار دشمن کا ہر اک سینے پہ سہہ جاؤں گا

ہنس کے میں نوش کروں جام شہادت جنگ میں
یا فتح پا کے میں غازی کی طرح آؤں گا

96

تیری تا موح تو شاہد ہے تیری عظمت کی

اپنے ناد مح کا تو آپ حوڑ خ مہ جا

نباض

نباض ہوں میں قوم کی اور مجھ کو جنوں ہے

حکمت سے اپنی قوم کے افکار بدل دوں

دوں تیشہ اپنی قوم کے بچوں کے ہاتھ میں

اِن جنوؤں کا رُخ اور کوئے یار بدل دوں

مومن ہوں مشیت میرا ایمان رہی ہے

دشمن تو کیا میں ہستی اغیار بدل دوں

ہو متحد گر قوم تو دشوار نہیں راہ
جو راہ میں حائل ہو وہ دیوار بدل دوں

باریک ہیں ہوں مقصد ہستی ہے نمایاں
خاکی ہوں مگر خاک کے آثار بدل دوں

حق کے لیئے میں کفر کے اسرار بدل دوں

نظرِ حکیمانہ

مجھے وہ نظرِ حکیمانہ تُو عطا کر دے

جو میری نظرِ عقابی کو دیدہ ور کر دے

میں لے کے سنگ [illegible] فاصلوں کو پاٹ سکوں

کچھ ایسے عزم اور جذبوں کو ہمسفر کر دے

خردو ذوق جنوں ساتھ ہوں تو کیا کہنا

خردِ و ذوقِ جنوں کو میرا خضر کر دے

خضوع سے جس نے ہے کی طے طویل منزل شب

طلوع اُن کے لیئے اِک نئی سحر کر دے

میں تھک گئی ہوں قدم میرے اب نہیں اُٹھتے

میری طویل مسافت کو مُختصر کر دے

تنہا سا گوشہ ہو، شہناز غور و فکر کرے

اور اپنی عمر بقایا وہیں بسر کر دے

نفس کا قیدی

نفس کا بن کے تو قیدی دِل زنداں میں کیوں بند ہے
اور اِس کنجِ قفس کو آشیانہ مان رکھا ہے

کئی صید ہوس ہیں سنگ تیرے اِس بیاباں میں
اور تُو نے خشک پتوں کو گلستاں جان رکھا ہے

نفس میں اور ہوس میں پھنس کے کیوں محدود ہوتا ہے
ارے کم ظرف کم ظرفی کو تُو نے ٹھان رکھا ہے

تو ہے خاکی مگر نُوری پہ تجھ کو فوقیت دی ہے
سر تیری ہستی کے رازوں کو تیری پہچان رکھا ہے

یہ ہے ظُلمت کدہ باہر نکل اِس قید خانے سے
کیوں اِس بنجر بیاباں کو ٹھکانہ مان رکھا ہے

صبح سویرے

نور کے تڑکے

آنکھ میری جو کھلتی ہے

لے [illegible] نام خدا کا میں

آغاز صبح کا کرتی ہوں

آنگن میرا بھر جاتا ہے

ننھی مُنی چڑیوں سے

بدلا تیری حمد و ثنا کے

دانہ دُنکا چگتی ہیں

اک دوجے سے چہلیں کرتی

کتنی سُندر لگتی ہیں

چھوٹے چھوٹے ٹکڑے میں

روٹی کو بھور کے کرتی ہوں

اُن کو کھائیں ننھی چڑیاں

آنگن میں رکھ دیتی ہوں

دعوت دیتی ہوں انگنا میں

ننھے منے پرندوں کو

مینا کو

کوئل کو

اور مُنی سی ایک گلہری کو

روٹی کھانے آجاتے ہیں

کالے کالے کوے بھی

اپنی فطرت کی عیّاری

یاں بھی وہ آزماتے ہیں

پنجہ بڑھا کر

ننھی چڑیوں کا

حصہ بھی کھا جاتے ہیں

میں یہ سارا

کھیل تماشا

چھپ کر دیکھتی رہتی ہوں

دوڑ کے پھر آنگن میں جا کر

اُن کو پرے بھگاتی ہوں

کھائیں ننھے دوست

سب میرے

ڈھال اُن کی بن جاتی ہوں

ننھے پرندے

کھانا کھا کر

پُھر سے پھر اُڑ جاتے ہیں

من میں میرے جانے کتنی

خوشیاں وہ بھر جاتے ہیں

شہناز شرما

میری نوا میں کچھ ایسا جذب شامل ہو
میری نوا بھی اک دن نوید بن جائے

ہو سوز و ساز و تب و تاب خاصۂ مومن
کچھ اس انداز پہ دورِ جدید بن جائے

ہے چند تلخ حقیقت مگر تو ہو آگاہ
خرد کا وار نہ ضرب شدید بن جائے

تمام عمر تو کاٹی ہے غازیوں کی طرح
وصال تیرا وصال شہید بن جائے

میں ہوں رطب اللسان تیری میں گُن تیرے ہی گاتی ہوں
تیری مدح سرائی ہی میری تمہید بن جائے

غزل

نئی دنیا

اِک نئی دُنیا یہاں آپ بنانی ہوگی
زندگی اس میں جو گذرے گی بامعنی ہوگی

ہے نہیں پیش نظر گر کوئی واضح خاکہ
منزلِ ہر راہ کے لیئے ڈھونڈ کے لانی ہوگی

نصب العین کا تو اُپنے تعین کر لے
اپنے مقصد کے لیئے بات بنانی ہوگی

تجھے تاریخ نے ہر دور میں دہرایا ہے
کل جو آئے گا تو پھر تیری کہانی ہوگی

آج اگر سوچ نہیں کل کی تو یہ جان لے تُو
عمر ساری یہ تجھے یونہی گنوانی ہوگی

✻

ہمدمِ دیرینہ

اے ہمدمِ دیرینہ تو راہ اپنی بدل دے
اُٹھ جاگ ذرا سوچ کے انداز بدل دے

اے پیرِ کہن چولا بدل تُو بھی ذرا سا
تقدیر کے اِس وار کو اِس بار بدل دے

اے اہلِ نظر تیرے تخیل پہ ہے موقوف
مردانِ خردمند کے افکار بدل دے

یہ سوزِ عمل ساز بنے راہِ عمل کا
مطرب کی ہر اک لے کا تو انداز بدل دے

جو ذوقِ عمل گر تیرا شیوہ ہو اے مومن
دُنیا تو کیا افلاک کے اسرار بدل دے

وقت نے کس سے لیے ٹکرایا ہے کہ مجھ سے

سرکو میں جو تیرا در پہ پلٹ جائے گا

پوشیدہ اِس خوابیدہ شرر میں ہیں شرارے

اُٹھ باندھ کمر اور نہ تو ڈھونڈ سہارے

یہ نُورِ درخشاں ہے سجا اِس سے پیشانی

ابدی ہے صرف نُور باقی سب انگارے

عمرِ رفتہ عمرِ فردا ساعتوں کا کھیل ہے

ساعتوں کے کھیل میں بیت جاتی ہے حیات

زندگی فطرت کا اِک ارتقائی عمل ہے

کب ہُوا کیسے ہُوا ذہنِ بشر کے توہمات

نصیب تیرا بلند عہدے پہ تجھ کو لے جائے

متاعِ دنیا پہ ہرگز غرور نہ کرنا

بنانا عاجزی اپنا شعار بے شک تو

ہر ایک بات پہ تو جھوٹ نہ کرنا

کچھ لوگ منزلوں کا تعین نہیں کرتے

راہِ حیات اتنی تو آسان نہیں ہے

گر مقصدِ حیات ہو واضح تو سمجھ لے

راہ جیسی بھی گنجان ہو گنجان نہیں ہے

عہدِ رفتہ کو کن الفاظ میں مَیں یاد کروں
نقشِ ماضی کو بتا کس طرح ثبات کروں

ہر اِک راہ منوّر تھی نُور سے تیرے
تیرے انوار کی مَیں کس طرح سے بات کروں

اپنی ہر سوچ کی پرواز ہے آکاش تلک

ہم تو اِک عزم جگاتے ہیں زمانے بھر میں

درس دیتے ہیں بھلائی کا زمانے بھر کو

کس لیے نظر نہیں آج خود اپنے گھر میں

جو دیا دکھ تو عطا صبر بھی کر دینا تھا

اس نے جیون کو میرے تلخ بنا رکھا ہے

جب بھی کرتے ہیں گلہ رب سے یہی کہتے ہیں

وقت میں کس لیئے مرہم کو چھپا رکھا تھا

جوش اور ہوش نے دیوانہ بنا رکھا تھا

اب نہ کہنا کبھی تم جوش میں آنے کے لئے

ایسی انجانی خُوشی ملتی ہے پاگل پن میں

دِل نہیں چاہتا اب ہوش میں آنے کے لئے

خودی تلاش تُو کر خود نہ ہو تُو اب محدود

خودی کی موت نہ بن رفعتوں کا پیکر بن

مٹا کے خُود کو بقائے دوام حاصل کر

حجاب چھوڑ دے باطل کی راہ کا پتھر بن

ہوا امن واماں ملک میں تو ہوتی ہے تعمیر
اک جہد مسلسل سے بدل جاتی ہے تقدیر
اپنے ہی نشیمن کو نہ پھونک اے ناداں
تخریب کی تدبیر نہیں خواب کی تبیر

کیوں تُو اقتدار بدلنے پہ تُلا بیٹھا ہے

وقت کا حربہ یہ چیر کہ نہ کہیں بن جائے

صفحۂ ہستی سے مٹا دے گا زمانہ تجھ کو

گر کبھی وقت میں اور تجھ میں کہیں ٹھن جائے

میری فطرت نے دھنک رنگ کی چُنری رنگ کر

پیرہن زیست کا رنگین بنا رکھا ہے۔

راہ دشوار ہے شہناز پر اتنی بھی نہیں

جس قدر آپ نے سنگین بنا رکھا ہے

سالک کی راہنما تو عقلِ سلیم ہے

کرتی ہے پیش سامنے قشرِ وجود کو

اسرارِ ہست و بود میں کھو جاتا ہے انساں

پھر ڈھونڈتی ہے خاک خود اپنے نمود کو

میری نماز تو ہی اور تو ہے میرا سجود

میرے ہے پیش نظر ہر گھڑی ترا ہی وجود

مجھے گر خالقِ کون و مکاں مل جائے

تو پھر نہ سجدہ رہے اور نہ رہے مسجود

زندگی جب فریب دیتی ہے

شدتِ غم میں مسکراتے ہیں

کتنے ناداں ہیں حضرتِ انساں

چوٹ کھاتے ہیں بھول جاتے ہیں

پورا ہو گیا سب کا کوٹا
میرا خواب ادھورا ہے
خواب ادھورا ہے تو کیا غم
ٹھاٹھ تو تیرا پورا ہے